

از عدالتِ عظمیٰ

تاریخ فیصلہ: 16 مارچ 1954

مہنت سری جگناتھ راما نوج داس ودیگر

بنام

دی سٹیٹ آف اڑیسہ ودیگر۔

[مہر چند مہاجن چیف جسٹس، مکھرجی ایس آر داس، ویوین بوس، اور غلام حسن جسٹس صاحبان]

آئین ہند آرٹیکل 19(1)(f)، 25، 26، 27—اڑیسہ ہندو مذہبی اوقاف ایکٹ 1939، جیسا کہ ترمیم شدہ ایکٹ II، سال 1952، دفعات 38 اور 39 اور دفعہ 46 کی توضیحات کے ذریعے ترمیم کی گئی ہے۔—آیہ آئین کے مخالف ہے۔ ایکٹ کی دفعہ 49-آیا آرٹیکل 27 مخالف ہے۔

حکم ہوا کہ، دفعہ 38 اور 39 اور اڑیسہ ہندو مذہبی اوقاف ایکٹ 1939 کے دفعہ 46 کی توضیحات جیسا کہ ترمیمی ایکٹ II، سال 1952 کے ذریعے ترمیم کیا گیا ہے، آئین کے آرٹیکل 19(1)(f)، 25 اور 26 کے مخالف ہے۔

ایکٹ کے دفعہ 49 میں فراہم کردہ سالانہ شراکت فیس کی نوعیت کی ہے نہ کہ ٹیکس اور اس لیے اس طرح کے التزام کو نافذ کرنا صوبائی قانون سازی کے اختیار میں تھا۔ مزید یہ کہ اس طرح کا نفاذ آئین کے آرٹیکل 27 سے متاثر نہیں ہوتا ہے کیونکہ دفعہ 49 کے تحت تعاون کا مقصد ہندو مذہب یا اس کے اندر کسی فرقے کی پرورش یا تحفظ نہیں ہے بلکہ مذہبی ٹرسٹوں اور اداروں کا مناسب انتظام ہے جہاں کہیں بھی وہ موجود ہوں۔

دیوانی اپیل نمبر 38، سال 1953 کا حوالہ دیا گیا۔

بنیادی دائرہ اختیار: پٹیشن نمبر 405، سال 1953۔ بنیادی حقوق کے نفاذ کے لیے آئین ہند کے آرٹیکل 32 کے تحت

اور

اپیلیٹ دائرہ اختیار: کیس نمبر 1، سال 1950۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935 کی دفعہ 205 کے تحت، نظام عدلیہ لی عدالت عالیہ، اڑیسہ کے 13 ستمبر 1949 کے فیصلے اور ڈگری سے، پہلی اپیل نمبر 39، سال 1949 میں، جو اصل مقدمہ نمبر 3، سال 1943 میں، ڈسٹرکٹ جج، کٹک کی عدالت 11 ستمبر 1945 کے فیصلے اور ڈگری سے پیدا ہوتی ہے۔

درخواست کنندگان اور اپیل گزاروں نمبر 1 سے 13 کے لیے این سی چٹرجی (بی کے سرن اور آر سی پرساد، ان کے ساتھ)۔

اپیل گزاروں 14 سے 16 کے لیے ایس پی سنہا (بی کے سرن اور آر سی پرساد، ان کے ساتھ)۔

دونوں معاملات میں جو اب دہندگان کے لیے ایم سی سینتوواد (جی این جوشی، ان کے ساتھ)۔ ایجنٹ آر۔ ایچ۔ دھیر۔

16.1954 مارچ۔

عدالت کا فیصلہ جسٹس مکھرجی نے سنایا۔

یہ دونوں جڑے ہوئے معاملات سہولت کی خاطر ایک ساتھ اٹھائے جاتے ہیں اور ایک ہی فیصلے سے نمٹائے جاسکتے ہیں۔ پٹیشن نمبر 405، سال 1953 کو آئین کے آرٹیکل 32 کے تحت اس عدالت میں پیش کیا گیا ہے اور درخواست کنندگان اڑیسہ کے دو قدیم اور معروف مذہبی اداروں کے مہنت یا اعلیٰ ہیں، ان دونوں کے پاس اڑیسہ ریاست کے اندر اور باہر کافی قیمت کے اوقاف ہیں۔ ایک

ایکٹ، جسے اڑیسہ ہندو مذہبی اوقاف ایکٹ کے نام سے جانا جاتا ہے، حکومت بھارت ایکٹ 1935 کے تحت کام کرنے والی اڑیسہ قانون ساز اسمبلی نے سال 1939 میں منظور کیا تھا اور اسے 31 اگست 1939 کو گورنر جنرل کی منظوری ملی تھی۔ ایکٹ کا مقصد، جیسا کہ تمہید میں بیان کیا گیا ہے، "کچھ ہندو مذہبی اوقاف کے بہتر انتظامیہ اور حکمرانی کی فراہمی کرنا ہے" اور ایکٹ میں "مذہبی اوقاف" کی اصطلاح کو جامع طور پر اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اس کا بیان محاورہ یہ ہے کہ تمام جائیداد جو مٹھوں یا مندروں کی حمایت کے لیے دی گئی ہے یا دی گئی ہے یا اس سے منسلک کسی بھی خدمت یا خیراتی کام کی انجام دہی کے لیے ہے۔ ایکٹ کی پوری اسکیم یہ ہے کہ عوامی مندروں اور مٹھوں کا اختیار اور نگرانی ہندو مذہبی اوقاف کے کمشنر کے طور پر نامزد ایک قانونی اتھارٹی کو سونپی جائے اور اسے کچھ اختیارات عطا کیے جائیں تاکہ وہ مٹھوں اور مندروں کے ٹرسٹیز پر موثر اختیار حاصل کر سکے۔ کمشنر کا صوبے کی عدالتی یا ایگزیکٹو سروس کارکن ہونا ضروری ہے اور اس کے اقدامات صوبائی حکومت کے عمومی اختیار سے مشروط ہیں۔ کمشنر اور اس کے عملے کے اخراجات کو پورا کرنے کے مقصد سے، ہر مٹھ یا مندر، جس کی سالانہ آمدنی 250 روپے سے زیادہ ہے، ایکٹ کی دفعہ 49 کے تحت سالانہ آمدنی کے ایک خاص فیصد پر سالانہ حصہ ادا کرنا ضروری ہے جو آمدنی میں اضافے کے ساتھ بتدریج بڑھتا ہے۔ اس عطیہ کے ساتھ ساتھ حکومت کی طرف سے دیے گئے قرضوں اور گرانٹس کے ساتھ، دفعہ 50 کے ذریعہ فراہم کردہ ایک خصوصی فنڈ تشکیل دیا جانا ہے اور مذہبی اوقاف کے انتظام کے اخراجات اس فنڈ سے پورے کیے جانے ہیں۔

جولائی 1940 میں، ایک مقدمہ، جس میں سے مقدمہ نمبر 1، سال 1950 اٹھتا ہے، کٹک کے ضلعی جج عدالت میں متعدد مہنتوں کے ذریعہ ہمارے سامنے آرٹیکل 32 کے تحت درخواست میں دو درخواست کنندگان سمیت، اس اعلان کے لیے دعا کرتے ہوئے کہ اڑیسہ مذہبی اوقاف ایکٹ، سال 1939 اڑیسہ قانون سازی کے دائرہ اختیار سے باہر تھا اور اس کے نتیجے میں دیگر راجوں کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ ایکٹ کے جواز کو تین بنیادوں پر کافی حد تک چیلنج کیا گیا تھا، یعنی (i) کہ قانون سازی کا موضوع گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935 کے گوشوارہ VII میں فہرست II کے اندر ج 34 میں شامل نہیں تھا؛ (ii) کہ دفعہ 49 کے تحت عائد کیا گیا حصہ درحقیقت ایک ٹیکس تھا

اور صوبائی قانون سازی کے ذریعے عائد نہیں کیا جاسکتا تھا؛ اور (iii) چونکہ ایکٹ کی توضیحات صوبے کی علاقائی حدود سے باہر واقع جائیدادوں کی آمدنی کو متاثر کرتی ہیں، اس لیے یہ ایکٹ اپنے عمل میں غیر ملکی تھا اور اس لیے غیر فعال تھا۔ ان تمام تنازعات کو کلک کے ضلعی جج نے مسترد کر دیا، جس نے 11 ستمبر 1945 کے اپنے فیصلے کے ذریعے مدعی کا مقدمہ خارج کر دیا۔ اس فیصلے کے خلاف، مدعیوں کی طرف سے اڑیسہ کی عدالت عالیہ میں اپیل کی قابل اور اپیل کی سماعت جگناداس اور نرسمم جسٹس صاحبان پر مشتمل ڈویژن بنچ نے کی۔ 13 ستمبر 1949 کے دو الگ الگ لیکن متفقہ فیصلوں کے ذریعے فاضل ججوں نے ضلعی جج کے فیصلے کی توثیق کی اور اپیل کو مسترد کر دیا۔ اس فیصلے کے خلاف ہی مقدمہ نمبر 1، سال 1950 اس عدالت میں آیا ہے۔

اس عدالت میں اپیل کے زیر التواء ہونے کے دوران آئین 26 جنوری 1950 کو اس کے بنیادی حقوق سے متعلق باب کے ساتھ نافذ ہوا، اور اڑیسہ ہندو مذہبی اوقاف ایکٹ میں بھی حال ہی میں اڑیسہ کی ریاستی قانون سازی نے ایکٹ II، سال 1952 میں ترمیم کر کے ترمیم کی ہے۔ ان تبدیلیوں کے پیش نظر، آئین کے آرٹیکل 32 کے تحت موجودہ درخواست دو مہنتوں کی طرف سے دائر کی گئی ہے جنہیں مقدمہ استقراریہ، سال 1940 میں مدعی کے طور پر پیش کیا گیا تھا اور درخواست کو جامع طور پر تیار کیا گیا ہے تاکہ ان تمام نکات کو شامل کیا جاسکے جن پر آئین کی توضیحات کی بنیاد پر اڑیسہ ہندو مذہبی اوقاف ایکٹ کے جواز کے خلاف زور دیا جاسکتا ہے۔ دونوں فریقوں کی طرف سے یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ان حالات میں ہمارے لیے اپیل سے الگ نمٹنا ضروری نہیں ہے۔ فیصلہ، جس پر ہم آرٹیکل 32 کے تحت پٹیشن میں پہنچیں گے، تنازعہ ایکٹ کی مختلف توضیحات جواز یا بصورت دیگر پر ہمارا اعلان ہو گا۔

شروع میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اڑیسہ ہندو مذہبی اوقاف ایکٹ، سال 1939 مدراس ہندو مذہبی اوقاف ایکٹ، سال 1927 کے نمونے کی قریب سے پیروی کرتا ہے جس کی جگہ اب 1951 میں مدراس کی ریاستی قانون سازی کے ذریعے منظور کردہ بعد کے ایکٹ نے لے لی ہے اور اسے مدراس ہندو مذہبی اور خیراتی اوقاف ایکٹ کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ جن بنیادوں پر ہمارے سامنے اڑیسہ ایکٹ کے جواز پر اعتراض کیا گیا ہے وہ کافی حد تک وہی ہیں جن پر دیوانی اپیل نمبر 38، سال

1953 (کمشنر، ہندو مذہبی اوقاف، مدراس بنام سری لکشمیندراتیرتھ سوامیار) میں مدراس ایکٹ کے آئینی جواز پر زور دیا گیا تھا، وہ فیصلہ جس میں ابھی فیصلہ دیا گیا ہے۔ درخواست کردہ میدانوں کو دو سروں کے تحت آسانی سے درجہ بند کیا جاسکتا ہے۔ سب سے پہلے، تنازعہ ایکٹ کی کچھ کی توضیحات کو اس بنیاد پر کالعدم قرار دیتے ہوئے چیلنج کیا گیا ہے کہ وہ آئین کے آرٹیکل 19(1)(f)، 25، 26 اور 27 کے تحت ضمانت شدہ درخواست کنندگان کے بنیادی حقوق پر اعتراض کرتی ہیں۔ دلیل کی دوسری شاخ ایکٹ کی دفعہ 49 کے تحت مذہبی اداروں پر عطیہ وصول کرنے کے التزام سے متعلق ہے اور اس التزام کو سب سے پہلے اس بنیاد پر مواخذے میں ڈال دیا گیا ہے کہ عطیہ بنیادی طور پر ٹیکس ہونے کی وجہ سے ایسی کسی توضیحات کو نافذ کرنا صوبائی قانون سازی کی اہلیت سے باہر تھا۔ دوسری بنیاد یہ ہے کہ اس طرح کے ٹیکس کی ادائیگی یا نفاذ آئین کے آرٹیکل 27 کے ذریعے ممنوع ہے۔

مٹھوں اور مندروں کے سلسلے میں آئین کے آرٹیکل 19(1)(f)، 25، 26 اور 27 میں شامل بنیادی حقوق کے دائرہ کار اور دائرہ کار سے متعلق عمومی سوالات پر ہمارے فیصلے میں مدراس اپیل میں مکمل بحث کی گئی ہے اور موجودہ کیس کے مقاصد کے لیے ان مباحثوں کو دہرانا ضروری نہیں ہوگا۔ ہم فوری طور پر ایکٹ کی مختلف کی توضیحات جائزہ لینے کے لیے آگے بڑھ سکتے ہیں جن پر درخواست کنندگان کی طرف سے پیش ہونے والے فاضل وکیل نے ان اصولوں کی روشنی میں اعتراضات اٹھائے ہیں جو اس عدالت نے مدراس اپیل میں رکھے ہیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اڑیسہ ایکٹ کی بہت سی تنازعہ دفعات کم و بیش مدراس ایکٹ کی اسی طرح کی توضیحات سے مطابقت رکھتی ہیں۔

ایکٹ کے دفعہ 11 پر اس بنیاد پر اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ کمشنر کو تقریباً بے قابو اور من مانی طاقت دیتا ہے۔ یہ دفعہ مدراس ایکٹ کے دفعہ 20 سے مطابقت رکھتا ہے اور جیسا کہ ہمارے فیصلے میں بتایا گیا ہے، مدراس اپیل میں، اختیارات، اگرچہ بظاہر وسیع ہیں، صرف اس بات کو یقینی بنانے کے لیے استعمال کیے جاسکتے ہیں کہ مٹھوں اور مندروں کو مناسب طریقے سے برقرار رکھا جائے اور اوقاف کا مناسب انتظام کیا جائے۔ چونکہ اس مقصد اور مقصد کے لیے جس کے لیے ان اختیارات کا

استعمال کیا جاسکتا تھا، واضح طور پر اشارہ کیا گیا ہے، ہم نہیں سمجھتے کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کمشنر کے پاس جو اختیار ہے وہ کسی بھی طرح سے من مانی یا غیر محدود ہے۔ دفعہ سے منسلک وضاحت صرف یہ واضح کرتی ہے کہ کمشنر کو دیا گیا عمومی اختیار عبوری احکامات کی منظوری تک پھیلا ہوا ہے جو کمشنر مناسب سمجھے۔

دفعہ 14 ٹرسٹی کے فرائض اور مذہبی اداروں کے امور کے انتظام میں اس کی دیکھ بھال کا تعین کرتی ہے۔ دیکھ بھال، جس کا اسے استعمال کرنا ہوتا ہے، عام طور پر ادارہ کی جاگیر کے انچارج ہر ٹرسٹی سے مطالبہ کیا جاتا ہے اور معیار اپنے فنڈز یا جائیدادوں سے نمٹنے والے عام دانشمندی والے شخص کا ہوتا ہے۔ یہ جاگیر کے انتظامیہ سے متعلق معاملہ ہے اور ٹرسٹی کے کسی بھی بنیادی حقوق میں مداخلت نہیں کرتا ہے۔ اسی وجہ سے، ہم سمجھتے ہیں کہ دفعہ 28 کی توضیحات پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا جس میں کہا گیا ہے کہ مندر کا ٹرسٹی کمشنر کی طرف سے ایکٹ کی توضیحات کے تحت جاری کردہ تمام احکامات کی پابندی کرنے کا پابند ہوگا۔ اگر احکامات جائز ہیں اور افسر کے اختیار کے مطابق بنائے گئے ہیں، تو احکامات کی تعمیل نہ کرنے کے لیے کسی جائز بنیاد پر زور نہیں دیا جاسکتا۔ ایکٹ کے جن حصوں پر سنگین اعتراضات اٹھائے گئے ہیں وہ دفعہ 38، 39، 46، 47 اور 49 ہیں۔ دفعہ 38 اور 39 کسی اسکیم کی تشکیل سے متعلق ہیں۔ عطیہ شدہ جائیداد کے مناسب انتظام کو یقینی بنانے کے لیے کسی اسکیم کا تصفیہ یقینی طور پر کیا جاسکتا ہے لیکن اعتراض یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایکٹ کسی اسکیم کی تشکیل کے لیے دیوانی عدالت یا اس کی نگرانی میں نہیں بلکہ کمشنر کے ذریعے فراہم کرتا ہے، جو محض انتظامی یا ایگزیکٹو افسر ہوتا ہے۔ اس کے حکم کے خلاف عدالت میں اپیل کا بھی کوئی التزام نہیں ہے۔ مدراس ایکٹ کی دفعہ 58 کے تحت، اگرچہ یہ اسکیم ڈپٹی کمشنر کے ذریعے تیار کی جانی ہے، لیکن اس کے حکم کے خلاف سب سے پہلے کمشنر کے پاس اپیل کی جاتی ہے۔ کمشنر کے حکم سے ناراض فریق کو دوبارہ عام دیوانی عدالت میں مقدمہ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے، جس کے ساتھ عدالت عالیہ میں اپیل کرنے کا مزید حق ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اعتراض شدہ ایکٹ کے دفعہ 39 کی ذیلی دفعہ (4)، جیسا کہ یہ اصل میں تھا، ٹرسٹی یا ادارے میں دلچسپی رکھنے والے کسی بھی شخص کو اجازت دیتا ہے کہ وہ کسی اسکیم کو تشکیل دینے والے حکم میں ترمیم کرنے یا اسے کالعدم قرار دینے کے لیے دیوانی عدالت میں

مقدمہ دائر کرے؛ اور دفعہ 40 کے تحت، دفعہ 39 کے تحت دیا گیا حکم صرف اس طرح کے مقدمے کے نتیجے کے تابع حتمی ہو سکتا ہے۔ دفعہ 39 کی ذیلی دفعہ (4)، تاہم، ترمیم ایکٹ، سال 1952 کے ذریعے حذف کر دی گئی تھی، اور نئی ذیلی دفعہ (4) کے تحت، کمشنر کے ذریعے منظور کردہ حکم کو حتمی اور فیصلہ کن بنا دیا گیا ہے۔ تاہم، عجیب بات یہ ہے کہ ایکٹ کی دفعہ 41 کو اب بھی اپنی اصل نوبت میں برقرار رکھا گیا ہے اور یہ عدالت کی طرف سے کسی اسکیم کو کالعدم قرار دینے یا اس میں ترمیم کرنے کے حکم کی بات کرتا ہے۔ ظاہر ہے، یہ لاپرواہی سے تیار کیا گیا مسودہ ہے اور ایسا لگتا ہے کہ قانون سازی نے بظاہر متضاد کی توضیحات کو قبول نہیں کیا ہے جو اس نے بنائے تھے۔ ریاست اڑیسہ کی طرف سے پیش ہوئے فاضل اٹارنی جنرل نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ ان دفعات کو دوبارہ تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ کسی عدالتی ٹریبونل کی مداخلت کے بغیر ایک ایگزیکٹو افسر کے ذریعے کسی مذہبی ادارے کے حوالے سے کسی اسکیم کا تصفیہ کرنا مذہبی ادارے کے اعلیٰ کے جائیداد کے حق پر غیر معقول پابندی کے مترادف ہے جو اس کے عہدے کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اس لیے ایکٹ کے دفعہ 38 اور 39 کو غلط قرار دیا جانا چاہیے۔

دفعہ 46 کی توضیحات میں کچھ بھی غلط نہیں ہے لیکن جائز رعایت، ہمارے خیال میں، دفعہ میں منسلک شرط پر لے جایا جاسکتا ہے۔ قانون کے تحت، جیسا کہ یہ ہے، مہنت یا مٹھ کے اعلیٰ کے پاس اضافی آمدنی کو نمٹانے کے بہت وسیع اختیارات ہیں اور واحد پابندی جو تسلیم کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ آمدنی کو اپنے ذاتی استعمال کے لیے خرچ نہیں کر سکتا جس کا اپنے عہدے کے وقار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دفعہ 46 میں بیان کردہ مقاصد ادارے کے فائدے کے لیے سازگار ہیں اور اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایسے مقاصد کے لیے اضافی اخراجات کے حوالے سے ٹرسٹی کی صوابدید کو بھی ان ہدایات کے ذریعے مزید محدود کیا جائے جو کمشنر جاری کرنے کا انتخاب کر سکتا ہے۔ دفعہ 47(1) یہ بتاتا ہے کہ تا امکان حسب وصیت کے اصول کا اطلاق صرف اس صورت میں نہیں کیا جانا چاہیے جب ٹرسٹ کا اصل مقصد ناکام ہو جائے یا بعد کے واقعات کی وجہ سے مکمل یا جزوی طور پر انجام دینے سے قاصر ہو جائے، بلکہ یہ بھی کہ جہاں ادارے کے جائز اخراجات کو پورا کرنے کے بعد اضافی رقم باقی رہ جائے۔ بظاہر ذیلی دفعہ کی آخری توضیحات کے خلاف اعتراض اٹھایا جاسکتا ہے، لیکن جیسا

کہ دفعہ 47 کی ذیلی دفعہ (4) اس سلسلے میں کمشنر کے کسی بھی حکم سے ناراض فریق کو دیوانی عدالت میں مقدمہ دائر کرنے کا اختیار دیتی ہے اور عدالت کو کمشنر کے اس حکم میں ترمیم کرنے یا اسے کالعدم قرار دینے کا اختیار حاصل ہے، ہمیں نہیں لگتا کہ شکایت کی کوئی معقول بنیاد ہے۔

واحد دوسرا دفعہ جس پر غور کرنے کی ضرورت ہے وہ دفعہ 49 ہے جس کے تحت 250 روپے سے زیادہ سالانہ آمدنی والے ہر مٹھ یا مندر کو کمشنر اور اس کے ماتحت کام کرنے والے افسران اور ملازمین کے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے سالانہ حصہ ڈالنا پڑتا ہے۔ اس توضیحات کے حوالے سے جو پہلا سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آیا عائد کرنا ٹیکس ہے یا فیس؛ اور یہ تنازعہ نہیں ہے کہ اگر یہ ٹیکس ہے تو صوبائی قانون سازی کو ایسی توضیحات نافذ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہو گا۔ اس سوال پر اوپر مذکور مدراس اپیل میں ہمارے فیصلے میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور اس بحث کو دوبارہ دہرانا ضروری نہیں ہے۔ جیسا کہ مدراس اپیل میں بتایا گیا ہے، ٹیکس اور فیس کے درمیان کوئی عام فرق نہیں ہے اور دونوں مختلف نوعیتیں ہیں جن میں کسی ریاست کی ٹیکس لگانے کی طاقت ظاہر ہوتی ہے۔ تاہم، ہمارے آئین نے ٹیکس اور قانون سازی کے مقاصد کے لیے فیس کے درمیان فرق کیا ہے اور اگرچہ ٹیکس کی مختلف نوعیتوں کے حوالے سے تینوں فہرستوں میں مختلف اندراجات ہیں، لیکن ان فہرستوں میں سے ہر ایک کے آخر میں فیس کے حوالے سے ایک اندراج ہے جو اس میں شامل ہر ایک معاملے کے سلسلے میں عائد کیا جاسکتا ہے۔ ٹیکس بلاشبہ عوامی مقاصد کے لیے عوامی اتھارٹی کے ذریعے رقم کے لازمی اخراج کی نوعیت کا ہوتا ہے، جس کی ادائیگی قانون کے ذریعے نافذ کی جاتی ہے۔ لیکن ٹیکس میں ضروری بات یہ ہے کہ ٹیکس دہندگان کو دیئے جانے والے کسی خاص فائدے کے حوالے کے بغیر ریاست کے عام اخراجات کو پورا کرنے کے لیے عوامی مقاصد کے لیے عائد کیا جاتا ہے۔ جمع کیے گئے تمام ٹیکسوں کو ریاست کے عام محصولات میں ضم کر کے عام عوامی مقاصد کے لیے لاگو کیا جاتا ہے۔ اس طرح ٹیکس ایک مشترکہ بوجھ ہے اور ٹیکس دہندہ کو جو واحد منافع ملتا ہے وہ ریاست کے مشترکہ فوائد میں شرکت ہے۔ دوسری طرف فیس بنیادی طور پر عوامی مفاد میں ادائیگی ہوتی ہے لیکن کسی خاص خدمت کے لیے یا ان لوگوں کے فائدے کے لیے کیے گئے کسی خاص کام کے لیے جن سے ادائیگیوں کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اس طرح فیسوں میں ہمیشہ کوئڈ پرو کو کا ایک عنصر

ہوتا ہے جو ٹیکس میں موجود نہیں ہوتا ہے۔ اس طرح دو عناصر ضروری ہیں تاکہ ادائیگی کو فیس سمجھا جاسکے۔ سب سے پہلے، یہ کچھ خدمات پر غور کرتے ہوئے عائد کیا جانا چاہیے جنہیں افراد نے اپنی مرضی سے یا ناپسندیدہ طور پر قبول کیا۔ لیکن یہ خود ہی محصولات کو فیس بنانے کے لیے کافی نہیں ہے، اگر ایسی خدمات کی فراہمی کے لیے طلب کی گئی ادائیگیاں الگ نہیں کی جاتی ہیں یا اس مقصد کے لیے خاص طور پر مختص نہیں کی جاتی ہیں بلکہ عام عوامی مقاصد کے لیے خرچ کیے جانے والے ریاست کے عام محصول میں ضم کر دی جاتی ہیں۔ اس جائزے کے مطابق، اڑیسہ ایکٹ کی دفعہ 49 کے ذریعے جو حصہ لگایا جاتا ہے اسے فیس ماننا ہو گا نہ کہ ٹیکس۔ ادائیگی کا مطالبہ صرف کمشنر اور اس کے دفتر کے اخراجات کو پورا کرنے کے مقصد سے کیا جاتا ہے جو کہ مذہبی ادارے کے امور کے مناسب انتظام کے لیے قائم کردہ مشینری ہے۔ جمع کی گئی رقم کو عام عوامی محصولات میں ضم نہیں کیا جاتا ہے اور دیگر عوامی مقاصد کے لیے اخراجات کی تخصیص کے لیے مقرر کردہ طریقے سے مختص نہیں کیا جاتا ہے۔ وہ اس فنڈ کو تشکیل دیتے ہیں جس پر ایکٹ کے دفعہ 50 کے ذریعے غور کیا جاتا ہے اور یہ فنڈ، جس میں صوبائی حکومت بھی قرض اور گرانٹ دونوں کے ذریعے حصہ ڈالتی ہے، خاص طور پر ایکٹ کی توضیحات پر عمل درآمد میں شامل خدمات کی فراہمی کے لیے مختص کیا جاتا ہے۔ لہذا ہم سوچتے ہیں کہ ان اصولوں کے مطابق جو اس عدالت نے اوپر بیان کردہ مدراس اپیل میں بیان کیے ہیں، شراکت کو قانونی طور پر فیس سمجھا جاسکتا ہے اور اس لیے ان توضیحات کو نافذ کرنا صوبائی قانون سازی کے اختیار میں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ لیوی کی رقم کو ادائیگی کرنے والوں کی صلاحیت کے مطابق درجہ بند کیا جاتا ہے حالانکہ یہ اسے انکم ٹیکس کی شکل دیتا ہے، یہ کسی بھی طرح سے فیصلہ کن جائزہ نہیں ہے۔

ہماری مزید رائے ہے کہ اس طرح کے نفاذ کو آئین کے آرٹیکل 27 سے متاثر نہیں کہا جاسکتا۔ آرٹیکل 27 کے ذریعے جس چیز کی ممانعت کی گئی ہے وہ کسی خاص مذہب یا مذہبی فرقے کے فروغ یا دیکھ بھال کے اخراجات کی ادائیگی میں کسی ٹیکس کی آمدنی کی مخصوص تخصیص ہے۔ دفعہ 49 کے تحت عطیہ کا مقصد ہندو مذہب یا اس کے اندر کسی فرقے کی پرورش یا تحفظ نہیں ہے؛ مقصد یہ دیکھنا ہے کہ مذہبی ٹرسٹ اور ادارے جہاں کہیں بھی موجود ہوں ان کا مناسب انتظام کیا جائے۔ یہ

مذہبی اداروں کی آزادانہ انتظامیہ ہے جسے قانون سازی اختیار کرنا چاہتا ہے اور اس کا مقصد، جیسا کہ ایکٹ میں بیان کیا گیا ہے، اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ مذہبی اداروں سے منسلک اوقاف کا مناسب انتظام کیا جائے اور ان کی آمدنی کو ان مقاصد کے لیے مناسب طریقے سے مختص کیا جائے جن کے لیے وہ قائم کیے گئے تھے یا موجود ہیں۔ چونکہ کسی خاص مذہب یا مذہبی فرقے کی حمایت کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے، اس لیے آرٹیکل 27 ممکنہ طور پر لاگو نہیں ہو سکتا۔

نتیجہ یہ ہے کہ، ہماری رائے میں، ایکٹ کے صرف دفعات جو غلط ہیں، دفعہ 38، 39 اور دفعہ 46 کی توضیحات ہیں۔ لہذا آرٹیکل 32 کے تحت درخواست کو اس حد تک اجازت دی گئی ہے کہ حکم امتناعی کی نوعیت کی ایک رٹ کمشنر اور ریاستی حکومت کو درخواست کنندگان کے خلاف مذکورہ بالا دفعات کی توضیحات کو نافذ کرنے کے لیے روک دے گی۔ درخواست کنندگان کی دیگر استدعاؤں کی اجازت نہیں ہے۔ مقدمہ نمبر 1، سال 1950 میں کسی علیحدہ حکم کی ضرورت نہیں ہے، جو مسٹر دہو جائے گا۔ ہم درخواست یا اپیل میں اخراجات کے بارے میں کوئی حکم نہیں دیتے ہیں۔